طالب علم کا اخلاق کیسا ہونا چاہیے

تالیف: علامہ برہان الدین الزرنوجیؒ

ترجمہ وحواشی: ڈاکٹر محمد امین

علامہ برہان الدین الزرنوجی ساتویں صدی ہجری کے ایک عرب فلسفی اور ماہر تعلیم تھے۔ ان کی تالیفات میں ایک کتاب ''تعلیم المتعلم طریق تعلیم العلم'' بھی ہے۔ اس کتاب کی ایک فصل ''الورع فی حال التعلم'' کے عنوان سے ہے۔ اسی فصل کو ڈاکٹر محمد امین نے ''خلق المتعلم عند الزرنوجی'' کے عنوان سے ترجمہ وحواشی کے ساتھ اپنی کتاب ''ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل'' میں شامل کیا ہے۔ وہ ترجمہ وحواشی قارئین کے افادے کے لیے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ ——— ادارہ

دوران تعلیم، متعلم کے تقویٰ اختیار کرنے کے حوالے سے بعض بزرگ وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تحصیلِ علم کے دوران میں تقویٰ کا رویہ اختیار نہ کرے اسے اللہ تعالیٰ تین مصیبتوں میں سے کسی ایک میں ضرور گرفتار کردیتا ہے: یا تو اسے جوانی میں موت دے دی جاتی ہے یا اس کی بود وباش جہلاء کی بستیوں میں مقدر کر دی جاتی ہے یا اسے حکمران کی ملازمت اختیار کرنا پڑتی ہے۔(1) متعلم جتنا متقی اور پرہیز گار ہوگا اللہ تعالیٰ حصول علم اس کے لیے اتنا ہی سہل بنادے گا اور اس کے علم کو مفید اور نفع بخش بنادے گا چنانچہ متعلم کو چاہیے (2) کہ وہ پیٹ بھر کر کھانے (3) زیادہ سونے (4) زیادہ باتیں کرنے۔(5) جہاں تک ہوسکے بازار کے کھانے سے احتراز کرے (6) کیونکہ بازار میں کھانا پکانے والے ایک تو صفائی کا خیال نہیں رکھتے اور غلیظ ماحول میں کام کرتے ہیں، دوسرے بازار کا کھانا کھانے سے اللہ کے ذکر سے غفلت کا امکان بڑھ جاتا ہے کیونکہ بھوکے اور مفلس لوگ بازار میں اس کھانے کو دیکھتے ہیں لیکن اسے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کو اذیت پہنچتی ہے اور اس طرح اس کھانے سے برکت اٹھ جاتی ہے۔(7) شیخ محمد بن فضل کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ متعلم تھے تو بازار کے کھانے سے احتراز کرتے تھے۔ ان کے والد گاؤں میں رہتے تھے اور انہیں کھانا پکوا کر بھجواتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیٹے کو کھانا دینے آئے تو دیکھا کہ اس کے کمرے میں بازار کی روٹی پڑی ہے۔ انہوں نے غصے اور ناراضگی کی وجہ سے بیٹے سے بات ہی نہ کی۔ بیٹے نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ روٹی بازار سے میں نے نہیں لایا اور نہ میرے مشورے سے لائی گئی ہے یہ تو میرا ہم جماعت (ہم غرفہ/ روم میٹ) لایا ہے۔ والد نے کہا کہ اگر تم احتیاط اور تقویٰ کی زندگی کے خوگر ہوتے تو تمہارے ساتھی کو بھی تمہارے سامنے بازار سے روٹی لانے کی ہمت نہ ہوتی۔ ہمارے اسلاف اسی طرح تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی گزارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کی تحصیل اور اس کی نشر واشاعت کی توفیق دی اور اسی وجہ سے ان کا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اسی ضمن میں ایک زاہد فقیہ نے متعلم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! غیبت (8) اور کثرت گفتگو سے بچو کیونکہ جو تمہیں گفتگو میں مصروف

رکھتا ہے وہ تمہارا وقت ضائع کرتا اور گویا تمہاری عمر چوری کرتا ہے (9) متعلم کو چاہیے کہ وہ بدعقیدہ بدکردار اور فتنہ وفساد پھیلانے والے لوگوں سے بچ کر رہے کیونکہ اگر وہ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہے گا تو اس کے برے اثرات سے بچ نہ سکے گا (10) اور جب بیٹھنا ہو تو قبلہ رو بیٹھے (11) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یہی ہے۔ نیز نیک لوگوں کی دعائیں لے اور مظلوم کی بددعا سے بچے۔

روایت ہے کہ دو آدمی گھر سے طلبِ علم کے لیے دوسرے ملک گئے اور اکھٹے تعلیم حاصل کی۔ کئی سال بعد وہ اپنے وطن واپس لوٹے تو ان میں سے ایک متبحر عالم بن چکا تھا جبکہ دوسرا علم سے کورا تھا۔ شہر کے علماء اس پر متعجب ہوئے اور ان دونوں سے ان کے حالات پوچھنے لگے کہ وہ سبق کیسے پڑھتے تھے، دہرائی کیسے کرتے تھے...... وغیرہ تو ان میں سے جو عالم تھا اس نے کہا کہ وہ قبلہ رو بیٹھتا تھا اور اپنا رخ آبادی کی طرف رکھتا تھا جبکہ دوسرے نے کہا کہ وہ قبلہ رخ نہیں بیٹھتا تھا اور رخ بھی آبادی کی طرف نہیں رکھتا تھا۔

اس سے علماء وفقہاء نے یہ متفقہ رائے قائم کی کہ عالم بنا وہ اس وجہ سے کہ وہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں قبلہ رو بیٹھتا تھا۔ (12) اور اپنا رخ آبادی کی طرف رکھتا تھا اور آبادی اللہ کی نیک بندوں سے خالی نہیں ہوتی، ہوسکتا ہے اللہ کے کسی نیک بندے نے اس کے لیے تہجد میں دعا کی ہو جو قبول ہوگئی ہو۔ (13) پس متعلم کو چاہیے کہ وہ آداب سے غفلت نہ برتے کیونکہ جو آداب کے بجالانے میں غفلت برتتا ہے وہ سنت سے محروم رہا جاتا ہے اور جو سنت کا تارک ہوجائے وہ فرائض بھی نہیں بجالاسکتا اور جو فرائض کا بھی تارک ہو وہ آخرت کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے (14) اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نوافل کثرت سے پڑھے (15) اور پورے خضوع وخشوع سے پڑھے (16) کیونکہ اس سے اسے تحصیلِ علم میں یقیناً مدد ملے گی۔ (17) اپنے زمانے کے علامہ وزاہد شیخ نجم الدین عمر بن محمد النسفی کی خدمت میں یہ شعر پڑھے گئے...... ترجمہ: (شریعت کے) اوامر ونواہی کی حفاظت کر (18) اور نماز کے ادا کرنے پر مداومت اختیار کر۔ (19) علوم شرعیہ کی تحصیل کی کوشش کر اور اس میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ کریمانہ سے مدد لے تاکہ تو حقیقی عالم بن سکے۔ (20) اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ تیرے حافظے کی حفاظت فرمائے تاکہ تجھے حصولِ علم میں آسانی ہو اور اللہ ہی بہترین حفاظت فرمانے والا ہے (21) تو انہوں نے جواب میں کہا: اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور خوب محنت کرو اور ہرگز سستی نہ دکھاؤ کہ تمہیں پلٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے۔ (22) راتوں کو کم سویا کرو کہ بہترین لوگ وہی ہیں جو رات کو کم سوتے ہیں۔ (23) طالب علم کو چاہیے کہ ہر وقت اپنی نوٹ بک اپنے ساتھ رکھے، تاکہ جہاں بھی اسے موقع ملے اس کا مطالعہ کرسکے (24) اور جس کی تھیلے میں نوٹ بک نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کا دل ابھی تحصیلِ علم کا شیدا نہیں ہوا۔ اور چاہیے کہ اس کی نوٹ بک میں کچھ خالی اوراق بھی ہوں اور اس کے پاس (قلم) دوات بھی ہوتا کہ وہ حسبِ ضرورت اساتذہ سے جو سنے لکھ بھی سکے۔ (25) پھر انہوں نے (یعنی امام نسفی نے) ہمیں دوات رکھنے کی فضیلت کے بارے میں حضرت ہلال بن یسار کی حدیث سنائی۔ (26)

تشریحات: 1۔ ان تینوں صورتوں میں سے ہر ایک کا حاصل یہ ہے کہ ایسے طالب علم کو نہ تو حاصل کردہ علم پر آسانی سے عمل

کرنے کی توفیق میسر آتی ہے اور نہ وہ اس علم کو پھیلا سکتا اور دوسروں تک پہنچا سکتا ہے، جبکہ یہی دونوں امور علم حاصل کرنے کے حقیقی اہداف اور مقاصد ہیں۔ اگر جوانی میں موت آگئی تو ان دونوں نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اور اگر علم اور اہلِ علم سے دور جہلاء کی بستیوں میں رہنا اس کا مقدر کر دیا گیا تو ان جہلاء کے درمیان رہنا خود ایک اذیت اور عذاب سے کم نہیں کیونکہ نہ وہ اس کے علم کی قدر کریں گے اور نہ اس سے علم حاصل کریں گے اور نہ اسے مہذب اور شائستہ علمی ماحول میسر آئے گا کہ اس کی علمی یا ادبی نشوونما ہو۔ چنانچہ تنگی اور ضیق کی زندگی گزارے گا۔ جہاں تک تیسری مصیبت کا تعلق ہے اس کا اندازہ شاید ہمیں آسانی سے نہ ہو سکے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک حکومت اور ریاست میں وہ فرق بہت نمایاں نہ تھا جو آج ہے۔ لہذا اس وقت سرکاری ملازمت حکمرانوں کی ذاتی نوکری کے مترادف تھی جس میں آدمی خواہی نخواہی حکمرانوں کے گناہ وثواب میں شریک سمجھا جاتا تھا۔ اپنی مرضی اور آزاد علمی روش برقرار رکھنا اس کے لیے ممکن نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اہل علم سرکاری ملازمت سخت ناپسند کرتے تھے اور اپنے غیر جانبداری، علمی آزادی اور شخصی وقار کے تحفظ کے لیے ایسے پیشے اختیار کرتے تھے جن میں ان پر حرف نہ آئے مثلاً تجارت یا صنعت وحرفت۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص نے کوڑے کھانے منظور کر لیے لیکن سرکاری ملازمت اور حکومت سے وابستگی کو شدت سے رد کر دیا۔ آج کل بھی کئی اہل علم اسی وجہ سے سرکاری ملازمت پسند نہیں کرتے۔

2۔ یہاں علامہ زرنوجی نے پہلے منہیات کا ذکر کیا ہے یعنی ان امور کا جن سے متعلم کو بچنا چاہیے اور اس کے بعد اوامر کو لیا ہے یعنی وہ امور جن کو اپنانا اور اختیار کرنا چاہیے۔

3۔ پیٹ بھر کر کھانا ذہنی یکسوئی اور قلبی توجہ کے لیے بہت مضر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے کہ جب تک خوب بھوک نہ لگے نہ کھایا جائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔ (بخاری) قدیم وجدید طب کی رو سے جسم خصوصاً معدے کے لیے یہ ایک سنہری اصول ہے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے، سوچنے کا عمل سست پڑ جاتا ہے اور تخلیقی وتحقیقی صلاحیت کو زنگ لگ جاتا ہے۔ اس کے برعکس پیٹ نہ بھرا ہونے کی صورت میں آدمی چست رہتا ہے۔ اس کے قویٰ میں تحرک اور نشاط رہتا ہے اور اس کی ذہنی اور باطنی صلاحیتیں نکھرتی ہیں۔ صوفیا بھی انہیں وجوہ سے کثرتِ طعام کو برا سمجھتے ہیں۔

4۔ ایک شخص جس کے سامنے زندگی میں کوئی مقصد ہو اسے اتنا ہی سونا چاہیے جتنا سونا اس کے جسم کی مجبوری ہو یعنی اسے کم سے کم سونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہیے۔ طلبِ علم کی عمر وہ عمر ہوتی ہے (یعنی لڑکپن اور آغاز جوانی) جس میں آدمی کی صلاحیتیں عروج پر ہوتی ہیں اور اس وقت عموماً اس کے ذمے ایک ہی کام ہوتا ہے اور وہ ہے تحصیلِ علم۔ لہٰذا ایک طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کا بہت بڑا حصہ حصولِ علم میں صرف کرے اور کم سے کم سوئے۔ اس کے برعکس اگر وہ سونے کی لذت کو اپنے اوپر طاری کر لے تو وہ کلاس میں بھی اونگھتا رہے گا اور گھر آ کر بھی سوتا رہے گا۔ اس طرح وہ علم کی لذت سے محروم رہے گا۔ سچ یہ ہے کہ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے اور جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے اور یہ کہ جو علم کے لیے جاگتا ہے اس کا مقدر بھی جاگ جاتا ہے اور جو علم حاصل کرنے کے بجائے سوتا رہتا ہے اس کا مقدر بھی سو جاتا ہے۔

5۔زیادہ باتیں کرنے کے نقصانات بہت واضح ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ زبان کا غلط استعمال آدمی کو جہنم میں لے جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو بھی مجھے اپنی زبان کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔(مسند احمد) اسی لیے دانا کہتے ہیں کہ پہلے تو لو پھر بولو۔ ہر وقت بولتے رہنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اس سے معصیت میں مبتلا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان طرازی، طنز و تشنیع، نام بگاڑنا، گالی دینا اور فحش گوئی سب زبان کے ہی گناہ ہیں۔ان سب سے اگر بچ بھی گیا تو بھی زیادہ بولنا لغو اور لہو تو ہے ہی کہ اگر گفتگو ضروری، مفید اور نفع بخش نہ ہو تو یہ وقت اور قوت کا ضیاع ہے۔اس وقت اور صلاحیت کو اگر وہ خیر کے کسی کام میں لاتا تو اس سے کتنا فائدہ ہوتا۔لہذا فضول گپ شپ میں وقت ضائع کرنا متعلم کا اور کسی ایسے شخص کا جو زندگی کو سنجیدگی سے لیتا ہو اور زندگی میں کچھ کرنا اور بننا چاہتا ہو...... وطیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

6۔سنجیدہ اور معتبر لوگ آج کل بھی بازار جاکر کھانے اور بازار کے کھانے سے احتراز کرتے ہیں۔ بازار کا کھانا بظاہر لذیذ اور چٹپٹا کیوں نہ ہو لیکن دو خرابیاں اس میں بالعموم پائی جاتی ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ گندہ ہوتا ہے (گو بظاہر صاف ستھرا نظر آتا ہے اور صاف برتنوں میں پیش کیا جاتا ہے) گندے ماحول میں تیار کیا جاتا ہے اور اسے تیار کرنے والے بالعموم گندے ہوتے ہیں۔تنور والے جب آٹا گوندھتے ہیں تو گوندھنے والے کا پسینہ اس میں گرتا رہتا ہے۔ یہ تو عام مشاہدے کی بات ہے۔علاوہ ازیں بعض لوگ آٹا زیادہ ہو تو پیروں سے بھی گوندھتے ہیں۔اگر بیکری کا سامان بسکٹ مٹھائی وغیرہ ہو تو مکھیاں وغیرہ بھی اس میں گرتی رہتی ہیں، برتن بھی صاف اور گرم پانی سے اچھی طرح نہیں دھوئے جاتے۔اجناس خصوصاً گھی اچھی کوالٹی کا نہیں ڈالا جاتا۔ان وجوہ سے ہوٹلوں کا کھانا کھا کر آج بھی اکثر لوگ بیمار ہوجاتے ہیں۔ ہمارے استاد طلبہ کو جب ان کا امتحان سر پر ہوتا، بار بار تاکید کرتے کہ ان دنوں بازار کا کھانا ہرگز نہ کھانا کیونکہ اگر بیمار ہوجاؤ گے، گلا وغیرہ خراب ہوگیا تو تندرست ہونے میں کئی دن لگ جائیں گے جب کہ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے اور امتحان سر پر ہے۔

7۔کھانے میں برکت کا ہونا اور بعض حالات میں اس سے برکت کا اٹھ جانا، کچھ علامہ زرنوجی کی نکتہ طرازی نہیں بلکہ یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مل کر کھانے سے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانے کی ابتدا کرنے سے کھانے میں برکت پیدا ہوجاتی ہے (سنن ابی داؤد) اور کافر جب کھاتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی شامل ہوجاتا ہے اور وہ سیر نہیں ہو پاتا (مسلم) (گویا کھانے سے برکت اٹھ جاتی ہے) جو کھانا مسلمان مفلسوں اور بھوکوں کے لیے باعثِ اذیت ہو اس سے برکت کا اٹھ جانا بعید از فہم نہیں۔

(میں نے جون 2002ء میں موضع سہاری ضلع نارووال کی نومسلمہ بی بی سے انٹرویو کیا تھا۔اس نے انٹرویو میں بتایا: ''اسلام قبول کرنے سے پہلے ہم دس دس روٹیاں کھا جاتے تھے مگر پھر بھی پیٹ نہ بھرتا تھا۔اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا کھاتے ہیں تو دو روٹیاں کھانے کے بعد ہی پیٹ سیر ہوجاتا ہے۔'')

8۔غیبت کبیرہ گناہوں میں سے ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے زمانے کے لوگ اسے بہت ہلکا سمجھتے ہیں اور اس میں عام طور پر مبتلا ہیں۔غیبت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے (الحجرات: 12) اور اس کی

شناعت میں متعدد صحیح احادیث مروی ہیں۔

9۔ کثرت سے گفتگو کرنے والے کو عمر چوری کرنے والا کہنا نہایت لطیف اور گہری بات ہے کیونکہ جو شخص کسی متعلم سے فضول گپ شپ کرتا ہے وہ حقیقت میں اس کا وقت ضائع کرتا ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

اور جو وقت بے مصرف گذرا گویا وہ ضائع ہو گیا اور جس نے ضائع کیا گویا اس نے وقت کی چوری کی۔ اب چوری کی شناعت ہمارے ہاں معروف ہے کہ اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ یہ کبیرہ گناہ ہے اور مسلمان کے لیے سوسائٹی میں باعث ننگ و عار ہے۔

10۔ جیسی آدمی کی صحبت ہوتی ہے ویسے ہی اس پر اثرات پڑتے ہیں۔ اچھی صحبت کے اچھے اثرات اور بری صحبت کے برے اثرات۔ بقول فارسی مثل کے ''صحبت صالح ترا صالح کند وصحبت طالح ترا طالح کند'' اور اس بارے میں حدیث بھی ہے کہ عطار کے پاس جاؤ گے تو معطر ہو گے اور لوہار کے پاس جاؤ گے تو دھوئیں اور دھونکنی سے کپڑے جلاؤ گے اور بدبو پاؤ گے۔ (متفق علیہ) لہذا علامہ زرنوجی طالب علم کو نصیحت کر رہے ہیں کہ بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو ورنہ تم بھی بدعقیدہ ہو جاؤ گے۔ جو لوگ اللہ کے احکام کی پروا نہیں کرتے اور معصیت پر دلیر ہیں، ان کی صحبت میں رہو گے تو انہی جیسی عادتیں سیکھو گے اور اگر فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے ساتھ رہو گے تو انہیں جیسے ہو جاؤ گے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ صحبت کا اثر نہ ہو۔ بری صحبت کا برا اثر ہو گا۔

11۔ یہاں تک منہیات کا ذکر تھا یعنی وہ امور جن سے متعلم کو بچنا چاہیے۔ اب مطلوبات کا ذکر ہو گا یعنی وہ امور جن پر متعلم کو ضروری ہی عمل کرنا چاہیے۔

12۔ بدقسمتی سے ہمارے زمانے میں سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اہمیت اور احترام نہیں دیا جاتا جو ایک سچے مسلمان کو دینا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ایک قانونی تقاضا بھی ہے۔ لہذا جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہیں کرتا، حدیث صحیح کے الفاظ میں اس کا ایمان ناقص ہے (بخاری) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی ضرورت واہمیت اور مدارِ ہدایت ہونے پر بہت سی قرآنی آیات شاہد ہیں لیکن اہل دل اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں پر بھی عمل کیا جائے جن پر عمل کرنا قانونی تقاضا نہیں ہے مثلاً کھانا پینا، اوڑھنا پہننا وغیرہ۔ گویا نشست و برخاست میں جو بھی پوزیشن اختیار کر لی جائے وہ غیر اسلامی نہیں (مثلاً کرسی میز پر بیٹھنا یا زمین یا چارپائی پر بیٹھنا وغیرہ) لیکن اگر کوئی اس طرح بیٹھے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے تو یقیناً اسے سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنے کا حکم دیا (بخاری) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود باقاعدگی سے مسواک کرتے تھے۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ دانت باقاعدگی سے صاف کیے جائیں۔ اب اگر کوئی شخص ٹوتھ برش سے باقاعدگی سے دانت صاف کرتا ہے تو گویا شریعت کا مقصد تو پورا ہو گیا لیکن اگر کوئی شخص مسواک کرتا ہے تو نہ صرف اس کے دانت صاف ہوں گے بلکہ وہ مسواک کی سنت پر عمل کرنے کی بنا پر مستحق ثواب بھی ہے۔

13۔ مسلمانوں میں بہت سے دعائیں اجتماعی صیغوں میں مانگی جاتی ہیں۔ ہم بطور مثال ایک قرآنی اور ایک مسنون دعا کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار (البقرہ۔ 201) (اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا ہے اللهم اغفرلنا وللمؤمنين و المؤمنات والمسلمين والمسلمات (سنن ابی شیبہ) (اے اللہ! مجھے بخش دے اور دوسرے مومن مردوں اور عورتوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی بخش دے) اسی طرح امتحانوں کے دنوں میں ہم نے بعض ائمہ وخطباء کو جمعہ کے خطبوں میں یہ دعا مانگتے سنا ہے کہ اے اللہ! ہمارے بچوں کو دینی ودنیوی امتحانوں میں کامیاب فرما، ان کو علم نافع عطا فرما، وغیرہ۔ اس طرح کی اجتماعی دعا اگر اللہ کا کوئی نیک بندہ مانگے تو وہ ایسے مسلمانوں کے حق میں قبول ہوسکتی ہے جنہیں اس کی خبر بھی نہ ہو کہ کوئی ان کے لیے دعا مانگ رہا ہے۔ کچھ اسی طرح کی صورتحال کی طرف علامہ زرنوجی نے اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ طالب علم آبادی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتا تھا۔ اللہ کے کسی نیک بندے نے اجتماعی دعا کی جو اس کے حق میں بھی قبول ہوگئی اور اللہ نے اس متعلم کو علم عطا فرمادیا۔ دعا کی اہمیت بھی اپنی جگہ ایک مسلمہ دینی مسئلہ ہے۔ دعا مانگنی چاہیے، اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ دعا عبادت کا مغز ہے، یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ لہٰذا اپنی چھوٹی اور بڑی سے بڑی حاجت خواہ دینی ہو یا دنیوی، اللہ سے مانگنی چاہیے۔ چونکہ وہ اس کائنات اور اس کے اسباب وذرائع سب کا خالق ومالک ہے لہذا اس کی جناب میں کسی چیز کی کمی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، جو چاہے، جتنا چاہے، عطا کرسکتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اس لیے اللہ سے مانگنا چاہیے اور خوب مانگنا چاہیے اور اس یقین کے ساتھ مانگنا چاہیے کہ وہ دینے پر قادر ہے اور ضرور دے گا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ خضوع وخشوع سے دعا مانگے۔ اور دعا کی قبولیت کا بہترین وقت تہجد کا ہے یعنی طلوع سحر سے پہلے رات کے آخری پہر کا وقت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تشریف لاتا ہے اور یہ صدا لگائی جاتی ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اسے بخش دیا جائے۔ (بخاری) ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تہجد کے وقت اٹھ کر اللہ سے دعا مانگنے کی توفیق دے۔

14۔ آسان سے مشکل کی طرف سفر ہی انسان کی فطرت ہے۔ چنانچہ جو اساتذہ اور مربی اس انسانی فطرت سے واقف ہیں اور تدریس وتربیت میں اس اصول پر عمل کرتے ہیں وہی مؤثر اور کامیاب رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیاء دورانِ تربیت اپنے تلامذہ کو مکروہات ومباحات اس طرح ترک کراتے ہیں جیسے حرام کو ترک کیا جانا چاہیے اور مستحبات پر اس شدت سے عمل کراتے ہیں جیسے اوامر وواجبات کے ادا کرنے میں شدت ہونی چاہیے۔ طلبہ تربیت کی اس کٹھالی سے جب نکل جاتے ہیں تو شریعت کے اوامر وواجبات پر عمل اور حرام ومنہیات کا ترک ان کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کی بات یہاں علامہ زرنوجی نے کہی ہے کہ جو آدمی شریعت کے آداب کا خیال رکھے گا اسے سنتوں پر عمل کرنے میں آسانی ہوجائے گی اور جو سنتوں پر باقاعدگی سے عمل کرے گا، واجبات پر عمل اس کے لیے سہل ہوگا۔ اس کے برعکس بھی صحیح ہے یعنی جو آداب شریعت کا خیال نہیں رکھے گا اس سے کیسے توقع رکھی جائے کہ وہ سنتوں پر عمل کرے گا اور جو سنتوں کا تارک ہو وہ فرائض و

واجبات پر کیسے عمل کرے گا؟

15۔ مطلوبات میں علامہ زرنوجی سب سے پہلے نوافل کو لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ متعلم کو نوافل کثرت سے پڑھنا چاہئیں۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ متعلم کو پانچ وقت کی فرض نماز باقاعدگی سے پڑھنی چاہیئے بلکہ کہہ رہے ہیں کہ نوافل کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔ اس کی چند اہم حکمتیں ہیں: ایک تو یہ کہ کثرتِ نوافل یا کثرتِ صلوٰۃ بہت بڑا ذریعہ ہے تقرب الی اللہ کا۔ دوسرے نماز کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے (طٰہٰ:14) اس طرح کثرت نوافل گویا کثرت ذکر ہے۔ کثرت ذکر سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ کو یاد رکھے۔ اس سے معصیت کا امکان کم ہو جاتا ہے اور فرائض احسن طریقے سے بجالانے میں مدد ملتی ہے۔ سوم یہ کہ جو کثرت سے نوافل پڑھتا ہے اس کے بارے میں یہ تصور کرنا بعید از قیاس اور بعید از فہم ہے کہ وہ فرض نماز کی ادائیگی میں غفلت کرے گا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

16۔ ہمارے نزدیک خضوع وخشوع شرائطِ قبولیتِ نماز میں سے ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نماز پڑھی اور ارکان نماز کا حق ادا نہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دہراؤ، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے دوبارہ ویسی ہی نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ نماز دہراؤ، تم نے نماز ادا نہیں کی۔ اس پر اس نے پوچھا کہ (قابلِ قبول) نماز کیسے ادا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وقار، سکون اور اطمینان سے ارکان نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ (متفق علیہ) اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ خضوع وخشوع ایک داخلی کیفیت ہے جس کو ناپا تولا نہیں جا سکتا اس لیے شارع علیہ السلام نے وقار، سکون اور اطمینان کو شرطِ قبولیتِ نماز قرار دیا اور یہ شریعت کا قاعدہ ہے جو امر کسی حکم شرعی کا سبب ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اس حکم شرعی کا ہوگا جیسے قرآن نے زنا کو حرام قرار دیا تو شارع علیہ السلام نے شہوت سے غیر محرم کو دیکھنے اور شہوت کی گفتگو کرنے اور سننے کو بھی حرام اور آنکھوں، زبان اور کانوں کا زنا قرار دیا کیوں کہ ان اعضاء کا غلط استعمال بالآخر عملی زنا کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقار، سکون اور اطمینان سے نماز ادا کرنے کو شرطِ قبولیتِ نماز قرار دیا اور یہ امور سبب ہیں خضوع وخشوع کا تو خضوع وخشوع کا بھی وہی حکم ہوگا جو سکون واطمینان سے ارکان نماز ادا کرنے کا ہے یعنی شرط قبولیت نماز ہوتا ہے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہ حکم مبنی بر قیاس ہے مبنی بر نص نہیں۔

خضوع وخشوع کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کے بغیر نماز کے مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ مثلاً نماز کے بڑے مقاصد میں سے یہ ہے کہ یہ اللہ کا ذکر ہے، تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، فحاشی ومنکرات سے روکتی ہے، وغیرہ۔ تو جب تک نماز خضوع وخشوع سے ادا نہیں کی جائے گی، نماز انسان پر طاری نہیں ہوگی تو نماز کے اثرات کیسے وقوع پذیر ہوں گے؟ لہٰذا علامہ زرنوجی کا یہ کہنا بجا ہے کہ متعلم کو نوافل کثرت اور خضوع خشوع سے پڑھنے چاہئیں۔

17۔ نوافل کثرت سے پڑھنے اور خضوع وخشوع سے پڑھنے سے تحصیلِ علم میں مدد ملتی ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک تو تہجد کی نماز کے نوافل ادا کرنے سے آدمی وقت کا پابند ہو جاتا ہے اور وقت کی تنظیم کرنا سیکھ جاتا ہے۔ یہ چیز متعلم کے

تعلیمی اوقات کی تنظیم اور وقت کے بہتر اور مفید استعمال میں اس کے کام آتی ہے۔ دوم: جو شخص نوافل ادا کرنے میں سرگرم اور منہمک ہوجاتا ہے یہ ممکن نہیں کہ اس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو اور تحصیلِ علم بلاشبہ فرض ہے۔ سوم: خضوع وخشوع اور باقاعدگی سے نوافل کی ادائیگی انسان کو ذمہ دار، بردبار اور سنجیدہ بنادیتی ہے اور جب طالب علم میں احساس ذمہ داری پیدا ہوجائے اور سنجیدگی آجائے تو اس کے کامیاب متعلم ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

18۔ یعنی متعلم کو چاہیے کہ جن اچھے کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں بصد شوق بجالائے اور جن برے کاموں کے کرنے سے اس نے منع کیا ہے وہ نہ کرے اور ان سے رک جائے۔ یاد رہے کہ شریعت کے سارے احکام اوامر و نواہی سے ہی متعلق ہیں۔ لہٰذا جس شخص نے ان اوامر ونواہی پر عمل کرنا شروع کردیا گویا اس نے ساری شریعت کو پالیا۔

19۔ اوامر ونواہی کا بالعموم ذکر کرکے نماز کا خصوصی طور پر ذکر کیا کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس پر مداومت اختیار کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز اس خصوصی سلوک اور تذکرے کی مستحق بھی ہے کیونکہ جو بھی شخص نماز کی حقیقت پر غور کرے گا وہ اس کی اہمیت کو پالے گا کہ نماز بندے کو اللہ سے جوڑتی ہے۔ یہ ان کے درمیان براہ راست رابطے اور تعلق کی ایک شکل ہے۔ یہ اللہ کا ذکر ہے۔ نماز کی بار بار ادائی بندے کو اللہ سے غافل نہیں ہونے دیتی۔ یہ انسان کو برائیوں سے روکتی ہے، نظافت کا سبب ہے، وقت کی پابندی سکھاتی ہے، اجتماعیت کو منظم کرتی ہے۔ غرض نماز کے فائدے بے شمار ہیں جنہیں چشم بینا ہر وقت مشاہدہ کرسکتی ہے۔

20۔ یعنی متعلم کو چاہیے کہ اپنے ہدف کو ہمیشہ سامنے رکھے اور طالب علم کا ہدف اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ حصول علم میں کامیاب ہوجائے اور صحیح معنوں میں عالم بن جائے۔ بدقسمتی سے آج کل طالب علموں میں ڈگریوں کے حصول کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور مقصد صرف ڈگری کا حصول ہے تاکہ ملازمت مل جائے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو یہ دنوں بڑے سطحی مقصد ہیں۔ طالب علم کا حقیقی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ سچ مچ علم حاصل کرے تاکہ اس پر عمل کرکے دین ودنیا میں فوز وفلاح پاسکے۔

حقیقی عالم بننے میں دو اصول اہم کردار ادا کرتے ہیں جن کی طرف علامہ زرنوجی نے یہاں اشارہ کیا ہے۔ ایک اعمال صالحہ اور دوسرے اعلیٰ اخلاق۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ دنوں امور علم حاصل کرنے کا سبب اور وسیلہ بھی ہیں اور اس کا نتیجہ بھی۔ ظاہر ہے جب آدمی اعمال صالحہ بجالائے گا اور کریمانہ اخلاق کا مالک ہوگا تو وہ سعادت سے ہم کنار ہوگا۔ اس کی زندگی میں یکسوئی اور اطمینان ہوگا۔ وہ لوگوں سے خوش ہوگا اور لوگ اس سے خوش ہوں گے۔ اس کی صلاحیتیں نکھریں گی، اس کے اندر اچھی عادتیں پروان چڑھیں گی اور یہ ساری چیزیں حصولِ علم میں مددگار ثابت ہوں گی اور وہ حقیقی عالم بن کر نکلے گا۔

21۔ دعا کی فضیلت اور فائدے اس سے پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔ یہاں علامہ زرنوجی متعلم کو یہ نصیحت کررہے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حافظے کی حفاظت کے لیے دعا گو رہے تاکہ اسے حصولِ علم میں آسانی رہے۔ ظاہر ہے کہ ایک متعلم کے طلب علم میں کامیابی ناکامی کا انحصار اس کے حافظے پر ہے۔ جس طالب علم کا حافظہ قوی ہوگا اس کی کامیابی کے امکانات نمایاں ہوں گے اور جس کا حافظہ خراب اور ردی ہوگا اس کی ناکامی کے اسباب بڑھ جائیں گے۔ لہٰذا اس قیمتی متاع کی طالب علم کو حفاظت کی کوشش بھی کرنی چاہیے اور اللہ سے اس کے لیے دعا بھی مانگنی چاہیے۔ جہاں تک اس کے لیے کوشش کرنے کا

تعلق ہے تو اس کا ذکر بالواسطہ پہلے آچکا کیونکہ وہ ترک معاصی (اور فضائل پر عمل) ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کی مشہور رباعی ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی | فارشدنی الی ترک المعاصی

فان الحفظ فضل من اله | و فضل الله لا یعطی لعاصی

ترجمہ: ''میں نے اپنے استاد وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترکِ معصیت کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ علم اللہ کا فضل ہے اور اللہ کے احکام کے نافرمان اس کے فضل کے مستحق نہیں ہوتے۔'' لہٰذا کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ حافظے کی حفاظت کے لیے اللہ سے دعا بھی کرنا چاہیے کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے اور سارے اسباب اسی کے اختیار میں ہیں۔ ورنہ شعوری کوششوں کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت باندازِ دِگر ہو تو خدانخواستہ ایسا صدمہ پہنچ سکتا ہے کہ دماغ الٹ جائے یا ایسی چوٹ لگ سکتی ہے کہ دماغ مجروح ہو جائے۔ لہٰذا ایک طالب علم کو حافظے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کرتے رہنا چاہیے۔''

22۔ علامہ نسفیؒ کے سامنے جو اشعار پڑھے گئے اگرچہ ان میں شریعت کے علم کے حصول، اس کے اوامر و نواہی کی پابندی، اعلیٰ اخلاق اور اللہ تعالیٰ سے دعا جیسے امور موجود ہیں لیکن اس کے باوجود علامہ نے مناسب سمجھا کہ اپنے مخاطب کو فکرِ آخرت کی تلقین کریں اور اسے یاد دلائیں کہ ہماری آخری منزل اللہ کے حضور پیش ہو کر اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ لہٰذا طاعات کے بجالانے میں سستی نہ کی جائے بلکہ اس پر اپنی پوری قوت صرف کر دی جائے۔

23۔ اور طاعات میں سے بھی تہجد یعنی رات کے وقت جاگ کر اللہ کے حضور گڑگڑانا، فریاد کرنا، آہ وزاری کرنا سر فہرست رکھا اور اپنے مخاطب کو یاد دلایا کہ نیک اور متقی لوگ ہمیشہ شب زندہ دار رہے ہیں۔ لہٰذا تم بھی اگر ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہو تو راتوں کو کم سویا کرو، بہت جاگا کرو اور اللہ کی عبادت میں اپنے آپ کا تھکایا کرو۔

24۔ اس سے علامہ زرنوجی کی مراد یہ ہے کہ طالب علم کو اپنا ہر لمحہ طلب علم کے لیے وقف کر دینا چاہیے اور جو وقت بھی اسے ملے وہ مطالعے میں صرف کرنا چاہیے۔ اسے ہر وقت اپنے پاس قابل مطالعہ مواد رکھنا چاہیے۔ جب بھی اسے کچھ وقت ملے تو اسے بیکار ضائع کرنے، سونے یا غیر مفید باتیں سوچنے اور کرنے کے بجائے اسے مطالعے میں صرف کرے۔ یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب طالب علم کو مطالعے کا چسکا لگ جائے اور مطالعہ اس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے۔ چنانچہ یہی کیفیت علامہ زرنوجی طالب علم کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

25۔ اپنے پاس ہر وقت قابل مطالعہ مواد رکھنے کے ساتھ علامہ زرنوجی طالب علم کو یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنے پاس ہر وقت لکھنے کا سامان بھی رکھے۔ اس زمانے کے مطابق قلم دوات اور سفید کاغذ اور آج کل کی اصطلاح میں کاپی پینسل یا نوٹ بک اور بال پوائنٹ...... تا کہ جس وقت بھی اسے اہل علم کے پاس بیٹھنے کا موقع ـ سکے اور علم محفوظ کر سکے۔

26۔ اس کے بعد علامہ نسفیؒ نے حضرت ہلال بن یسار کی وہ حدیث ہمیں سـ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علم اور اس کی حفاظت کے بارے میں بتایا گیا ہے اور جس سے دوات ساتھ رکھـ ہے۔

(یہ حدیث ہمیں کتب احادیث میں نہیں مل سکی۔ مترجم) ☆☆☆